قُرآنی کُلّیات کی روشنی میں اِنسانی وَحدت کا تَصوّر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

کُتبِ سماوی کا مقصدِ اعلیٰ انسان کی ہدایت ہے، اور قرآنِ کریم تمام کُتبِ سماوی کا محافظ و**مُھَیۡمِنٌ** (۲۳:۵۹) اور"**تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ** (۸۹:۱۶)" ہے، اس پُرکرامت و حکمت کتاب کی روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان دین و دنیا اور روحانیت و جسمانیت کا خُلاصہ ہے، اس لیے حُکمائے ظاہر اور حُکمائے دین نے جسمانی لحاظ سے اُس کو عالمِ صغیر اور روحانی لحاظ سے عالمِ کبیر کہا ہے، اور اسی جامعیّت کے لحاظ سے انسان کی کمال یافتہ روح کی معرفت کو رَبّ کی معرفت کہا گیا ہے، اور اس کو خلافتِ اِلٰہی کے تاج سے سرفراز کیا گیا ہے (۳۰:۲)۔

چونکہ قرآن کی ہدایت انسان کی کُلّی اور جزوی حالتوں پر حاوی ہے، اس لیے ہدایت کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے، جو انسان کی کُلی حالت سے متعلق ہے، اس قسم کی ہدایت کو کُلیّات یا اُصول کہا جاتا ہے، دوسری قسم وہ ہے، جس کا تعلق جُزوی حالات سے ہے، اس قسم کی ہدایت کو جزویات یا فروع کہا جاتا ہے، کُلیّات کے لحاظ سے دیکھا جائے، تو تمام انسانوں کی ایک وحدت نظر آتی ہے، اور جزویات کی نظر سے دیکھا جائے، تو انسانوں میں یقیناً اختلافات نظر آتے ہیں، لیکن کوئی بھی دانشمند جزوی علم سے مطمئن نہیں ہوتا، بلکہ اطمینان حاصل کرنے کے لیے جزویات سے کُلّیات کی طرف آگے بڑھتا ہے، اس مختصر مقالے میں انسانی وحدت کو قرآنی کُلّیات کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

اَب جہاں تک قرآنی کُلّیات کی روشنی میں انسانی وحدت کے تصوّر کا تعلق ہے، ان کُلیات میں سے ایک اہم کلیّہ نفسِ واحدہ سے انسانی تخلیق کا ہے، نفسِ واحدہ سے تخلیق کا ذکر کئی آیات میں آیا ہے، جن میں سے دو کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے، مثلاً ایک آیت میں رَبُّ العزت فرماتے ہیں: "**یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنۡھَا زَوۡجَھَا وَ بَثَّ مِنۡھُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً** (۴:۱)" اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم سب کو ایک نفسِ واحدہ سے پیدا کیا، اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے بہت سے مَردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا، دوسری آیت میں انسانوں میں باہمی روابط اور انسان کی اصل بزرگی کے بارے میں فرماتا ہے: "**یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّ اُنۡثٰی وَ جَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ** (۴۹:۱۳)" اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تم کو شعوب و قبائل (قومیں اور قبیلے بنایا) تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور اللہ کے نزدیک سب سے بڑا

بزرگ وہ ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، ان آیتوں سے روشن ہے کہ تمام انسان جس نسل، قوم اور رنگ کے بھی ہوں، ان سب کی ایک ہی اصل اور ایک ہی حقیقت ہے، اور ان کو الگ الگ شعوب اور قبائل بنانے کا مقصد کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت دینے کے لیے نہیں، بلکہ ایک دوسرے کی شناخت کے لیے ہے، اس لیے بنیادی طور پر انسانوں کی ایک ہی وحدت اور آپس میں مساوات ہے۔

اَب اس وحدت و مساوات سے جو درجات بنتے ہیں، اس کا سبب انسان کی اپنی اطاعت و معصیت ہے، نہ کہ خدا نے کسی کو کمتر یا بہتر بنایا ہے، چونکہ انسان کو خدا نے اپنی خلافت کے عظیم ترین مرتبے سے نوازا ہے، اور اس مرتبے کے قابل بنانے کے لیے ایک عظیم امتحان سے گزارنے کے لیے عقل کے ساتھ نفسِ امّارہ کو بھی مقرر کر کے اس کے ساتھ جہادِ اکبر کا حکم دیا ہے، اس امتحان کی وجہ سے درجات وجود میں آتے ہیں، اس میں بعض ناکام ہوجاتے ہیں، اور بعض کامیاب ہو کر مختلف درجات میں ربُّ العزت کی طرف رُجوع کرتے ہیں، لیکن اساسی طور پر سب ایک ہیں۔

اب سب سے برترین کُلّیہ یا اُصول توحید یا خدائے واحد و یکتا کا ہے، جو دین میں اصلُ الاصول ہے، ابھی دیکھنا ہے کہ خدا اپنے بندوں یعنی مردوں اور عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے، قرآنِ کریم کے سورۂ فاتحہ سے ظاہر ہے کہ اللہ رَبُّ العالمین ہے، یعنی عالَمین کا پروردگار ہے، عالَمین سے مراد امام جعفرِ صادق علیہ السلام کے یہاں انسان ہی ہیں، یعنی خدا کی پرورش سب کے لیے ایک ہی ہے، سب کو عقل دی ہے، اعضاء دیے ہیں، اور حواسِ ظاہر و باطن اور دیگر نعمتوں سے نوازا ہے، یعنی اس پرورش میں بھی کوئی تخصیص نہیں، البتہ یہ اور بات ہے کہ کوئی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے، یا نہیں، اس لحاظ سے بھی بنیادی طور پر انسانوں میں مساوات اور وحدت پائی جاتی ہے۔

خُدائے واحد کے کلیہ کے بعد دوسرا کلیہ خلافتِ اِلٰہی ہے، یعنی معبود و عبد میں واسطہ یا وسیلے کا ہے، جو نبوت و امامت کے ایک سلسلے میں دنیا میں جاری و ساری ہے، خدا اپنے خلیفہ کو جملہ خلائق کے لیے رحمتوں، کرامتوں اور ہدایت کا باعث بناتا ہے، اس کا روشن ترین ثبوت حضرتِ خاتمُ النّبیّین محمد مصطفیٰؐ کا وُجودِ مبارک ہے کہ خدا نے فرمایا: ”وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (۲۱:۱۰۷)“ اور ہم نے آپ کو عالَمین یعنی تمام انسانوں کے لیے رحمت کے طور پر بھیجا ہے، یہاں پر بھی خدا کی رحمت میں کوئی تخصیص نہیں، بلکہ یہ رحمت سب کے لیے عام ہے، اس لیے بنیادی طور پر انسانوں کے درمیان کسی نسل و قوم یا رنگ کے بنیاد پر کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں، سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، جو لوگ اپنی سستی سے پیچھے رہ گئے ہیں، اور جس کی وجہ سے اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، ان کا کیا ہوگا؟ قرآنِ کریم کی کلیّاتی تعلیم سے یہ بات روشن ہے کہ خدا نے انسانوں کی سستی کے باوجود اپنی طرف واپس لوٹانے کا ایک دروازہ کُشادہ رکھا ہے، اس کو بابِ توبہ کہتے ہیں، یعنی جو انسان ہوش میں آ کر غلط رستے کو چھوڑ کر صراطِ مستقیم کی طرف آئے، تو خدا اپنی رحمت سے اس کے گناہوں کو بخش دیگا، اور اپنی اصل حالت پر آ جائے گا، جیسا کہ حدیثِ شریف میں آیا ہے: **اَلتَّـائِبُ مِنَ الذَّنبِ کَمَنْ لَاذَنب لہ** = جو دل سے توبہ کریگا، تو وہ گناہوں سے اتنا صاف اور پاکیزہ ہوتا ہے کہ گویا اس نے کبھی گناہ ہی نہیں کیا ہے، اور جو اپنی مرضی سے توبہ نہیں کر سکتا ہے، تو اِجباراً یعنی زبردستی توبہ کرانے کے لیے ایک بظاہر عذاب اور بباطن نجات کا ذریعہ پیدا کیا ہے، اور وہ جہنم کی آگ ہے، بزرگانِ دین میں سے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جہنم گناہگاروں کی عبادت گاہ ہے، اسی عذاب سے ان کی تطہیر ہوتی ہے، جیسا کہ ایک سخت بیماری ہے، جو تلخ دوائیوں کے بغیر دور نہیں ہو سکتی ہے، تو اس کو تلخ دوائیاں کھانی ہی پڑتی ہیں، اگر ان سے بھی ٹھیک نہیں ہوتی، تو آپریشن بھی کرانا پڑتا ہے، جو بظاہر تکلیف دہ ہونے کے باوجود بیماری سے نجات کا باعث ہوتا ہے، اس لیے خدا نے بندوں کے لیے جو عذاب کے وسائل مقرر کیے ہیں، وہ اپنی رحمت کی بنا پر کئے ہیں، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے: **وَ رَحْـمَتِی سَبقَتْ غَضَبِی**= اور میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے" اس کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنی ہدایت لوگوں تک پہنچانے کے لیے اُولوالامر یعنی صاحبانِ امر کو مقرر کیا ہے، جو اس کے امر و فرمان کی روشنی میں لوگوں کی ہدایت کرتے رہتے ہیں (۲۱:۷۳)، کیا عجب ہے کہ جس طرح ہمارے اگلے زمانوں کے آبا و اَجداد دینِ حق پر نہیں تھے، اور بہت بعد کے آبا و اَجداد نے دینِ حق کو قبول کیا، اور ان کے ذریعے ہمیں یہ دین نصیب ہوا، اسی طرح جو آج دینِ حق سے غافل ہیں، وہ آگاہ ہو کر دینِ حق میں داخل ہو جائیں، اور وحدتِ انسانی کا شعور ان میں پیدا ہو۔

اَلغرض مذکورۂ بالا قرآنی کلیات سے ثابت ہے کہ تمام انسانوں کی حقیقت ایک ہی ہے، اور وہ ان کی وحدت ہے، اور ظاہری طور پر رنگ، نسل، زبان اور قومیت سے متعلق جو اختلافات پائے جاتے ہیں، وہ صرف جسمانی عوارض ہیں، جس کا روح سے کوئی تعلق نہیں، ہمارے بزرگوں نے اپنے اپنے زمانوں میں اس حقیقت کی طرف واضح طور پر توجہ دلائی ہے:

جیسا کہ حضرتِ استاد سخن سعدی فرماتے ہیں:

بنی آدم اعضائے یکدیگرند — که در آفرینش ز یک گوهرند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوها را نماند قرار
تُو کز محنت دیگران بے غمی — نشاید که نامت نهند آدمی

ترجمہ: آدمؑ کی اولاد ایک دوسرے کے اعضاء ہیں، اس لیے کہ ان کی پیدائش ایک ہی جوہر سے ہوئی ہے۔
جب زمانہ کسی ایک عضو کو درد میں مبتلا کرتا ہے، تو دوسرے اعضاء کو بھی قرار باقی نہیں رہتا۔
اگر تُو دوسروں کی مشقت سے بےغم ہے، تو مناسب نہیں کہ تیرا نام آدمی رکھا جائے۔

قرآنِ کریم نہ فقط انسانوں کو ازلی وحدت سے کثرت کے پیدا کرنے کا ذکر فرماتا ہے، بلکہ کثرت سے وحدت بنانے کا اشارہ بھی فرماتا ہے، کیونکہ سوائے ذاتِ سبحان کے ہر چیز اس کی خدائی میں زوج (جوڑا، جُفت) کی صورت میں ہے، اور خدا اپنی قدرتِ کاملہ سے ضد سے ضد کو پیدا کرتا ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ وہ رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور مُردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مُردہ کو پیدا کرتا ہے(۳:۲۷)، اسی طرح خدا کو وحدت سے کثرت اور کثرت سے وحدت پیدا کرنے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے، جبکہ جسمانی عالم میں دیکھتے ہیں کہ وہ ایک بیج کی وحدت سے ایک درخت کی کثرت کو پیدا کرتا ہے، اور پورے درخت کی کثرت کو پھر سے بیجوں کی وحدت میں سما دیتا ہے۔

چنانچہ قرآنِ کریم اس وحدت کی بُشارت دیتے ہوئے فرماتا ہے: ”**هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ** (۹:۳۳)“ وہی تو ہے، جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے، تاکہ اسے ہر دین پر غالب کرے۔

ان قرآنی کُلیات کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسانی وحدت نہ صرف اپنی اصل اور ازل میں ہے، بلکہ یہی وحدت اَبد میں بھی ممکن ہے، اس سلسلے میں ہمارے اپنے زمانے اور اپنے علاقے کے ایک عارف حضرتِ علاّمہ نصیرالدین نصیر ہونزائی اپنے روحانی تجربات کی روشنی میں فرماتے ہیں:

اُیَم دِشَن ئیَڎ با ایلٰےِ سِس اُیون بَبَر بان
اَزَلٰےِ بَبَر بَم جُوَن اَبَدٰےِ بَبَر بُٹ اُیَم

ترجمہ: میں نے ایک اعلیٰ مقام کو دیکھا ہے، سارے لوگ یکسان اور برابر ہیں، جس طرح ازل میں سب برابر اور ایک تھے، اسی طرح اَبد میں تمام انسانوں کا مساواتِ رحمانی کے تحت ایک ہونا زبردست شیرین بات ہے۔

وقت کا تقاضا ہے کہ ہم سب وقتی اختلافات اور فسادات سے نااُمید ہوئے بغیر خدا کی بے پایان رحمت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کام کو جاری رکھیں، جو اس وقت چترال یونیورسٹی انجام دے رہی ہے، رحمتِ ایزدی سے دُور نہیں کہ وہ جوش میں آ جائے، ہماری تقصیرات کو درگزر فرمائے، اور ہم سب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرے، اور ہم سب جذبۂ اخوت و محبت کے ساتھ باہمی زندگی گزار سکیں۔

آخر میں عاجزانہ اور فقیرانہ دعا ہے کہ چترال یونیورسٹی کے معزز ارکان اور کارکنوں کو اس قابلِ تحسین کام کو جاری رکھنے کے لیے ہمت و قوت اور وسائل و ذرائع سے مالامال کردے، **آمین یا رَبِّ العالمین۔**

فقیر محمد ہونزائی (پی۔ایچ۔ڈی)